ماہِ محرم — احکام ومسائل

از: مفتی محمد راشد ڈسکوی
رفیق شعبۂ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

نئے ہجری سال کی ابتداء

محرم الحرام اسلامی تقویم ہجری کا پہلا مہینہ ہے، کتنے ہی پڑھے لکھے، دیندار لوگ ایسے ہیں، جنھیں اسلامی تقویم کا علم ہی نہیں؛ جب کہ اس کے برخلاف شمسی تقویم، اس کے مہینوں کے نام اور ان کی تاریخ ہر کسی کو معلوم ہوتی ہے۔ جب جب شمسی سال کے پہلے مہینے جنوری کی ابتدا ہوتی ہے تو وہ خوشیاں بھی مناتے ہیں، خوب ہلّہ غلّہ کرتے ہیں، گویا اس طریقے سے وہ نئے سال کا آغاز کرتے ہیں؛ اس مقام پر ہم کو غور یہ کرنا ہے کہ ''نیوائیر'' کی اس طرز پر ابتدا ہم نے کہاں سے لی؟! ہمارے لیے تو ''نیو''نیوائیر'' کی ابتداء محرم الحرام کے بابرکت مہینہ سے شروع ہوتی ہے، اور چونکہ ہم مسلمان زندگی گزارنے کے طور طریقوں کے معاملے میں مستقل ایک کامل تہذیب کے مالک ہیں؛ اس لیے ہمیں اپنی زندگی کی راہ ورسم میں کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھکاری پن اختیار کرنا مسلمان کی مسلمانیت کے خلاف ہے؛ ہمیں کسی کے در پر جھکنے کی ضرورت نہیں، ہم تو خود ساری دنیا کو تہذیب وشائستگی کے آداب وطریقے سکھانے والے ہیں۔

نئے مہینے کے استقبال کا اسلامی طریقہ

تو ''نئے سال'' کی ابتداء ہو یا ''نئے مہینے'' کی، اس کی ابتداء کا مسنون طریقہ شریعت میں یہ ہے کہ مہینے کے اختتام پر نئے مہینے کے چاند کو دیکھنے کا اہتمام کیا جائے، یہ عمل مسنون ہے، اور جب چاند نظر آجائے تو نیا چاند دیکھنے کی دعا بھی پڑھی جائے، یہ بھی مسنون ہے، اس مسنون طریقے کے ہی اپنانے میں اور دعاؤں کا اہتمام کرنے میں ہی برکت، حفاظت اور ثواب ہے، ہمیں فضول قسم کی رسومات اور خرافات سے بچتے ہوئے اسی کا اہتمام کرکے سچے مسلمان اور محبّ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا ثبوت دینا چاہیے؛ امام ابن السنی نے مہینہ کی ابتداء کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وعادت

شریفہ کا یوں ذکر فرمایا ہے:

”إن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا رأى الهلال قال: ”اللّٰهم اجعله هلال يُمنٍ و بركةٍ“. (عمل اليوم والليلة لابن السني، ص:٥٩٦، رقم الحديث: ٦٤١، مكتبة الشيخ، كراتشي)

ترجمہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی رات کے چاند کو دیکھتے تو یوں دعا مانگتے: اے اللہ! ہمارے لیے اس چاند کو خیر و برکت والا بنادے۔

نیا چاند دیکھتے وقت کی مسنون دعا

ایک دوسری روایت میں اس وقت یہ دعا پڑھنے کا ذکر ہے:

”اللهم أَهِلَّه علينا باليُمُنِ والإِيْمَانِ والسَّلامَةِ والإِسلامِ، ربِّي وربُّكَ اللّٰه“. (مسند أحمد بن حنبل، مسند أبي محمد طلحه بن عبيد الله، رقم الحديث: ١٣٩٧، ١٧٩/٢، دارالحديث، القاهرة)

ترجمہ: اے اللہ! اس پہلی رات کے چاند کو امن وسلامتی اور ایمان واسلام کے ساتھ ہم پر طلوع فرما، (اے چاند) میرا اور تمہارا رب اللہ تعالی ہی ہے۔

ہمیں بھی مہینے کی ابتدا، اُسی طرح کرنی چاہیے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا؛ تاکہ برکتیں اور رحمتیں حاصل ہوں؛ چہ جائیکہ! ہم رسوم وبدعات اور نوحہ خوانی سے ابتدا کریں۔

اسلامی کیلنڈر استعمال کرنے کی اہمیت

دوسری بات یہ کہ ہمیں چاہیے ہم اسلامی تقویم ہجری کے استعمال کی عادت ڈالیں، اپنے روزمرہ کے استعمال میں اس تقویم کو سامنے رکھیں، اگرچہ! دوسرے کلینڈروں کا استعمال گناہ نہیں ہے، شرعاً اس کے اختیار کرنے میں بھی ممانعت نہیں ہے؛ لیکن شمسی تقویم کا ایسا استعمال کہ ہم اسلامی تقویم کو بالکلیہ بھلا بیٹھیں، یہ کسی طرح درست نہیں؛ اس لیے کہ اسلامی تقویم ہجری کی حفاظت بھی مسلمانوں کا فرض ہے اور اس کے استعمال میں ثواب ہے، جس سے محروم نہیں ہونا چاہیے، نیز! اپنی شناخت اور اپنے امتیاز کو باقی رکھنا بھی ایک غیرت مند مسلمان کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس معاملے میں اس کی بہتر شکل یہ ہے ہم قمری تاریخ کے استعمال کو ترجیحی بنیادوں پر دوسری تقویم کے مقابلے میں استعمال کریں، خدانخواستہ اگر سب مسلمان اسلامی تقویم ہجری کو چھوڑ بیٹھیں اور بھلا دیں تو سب کے سب اللہ کے یہاں مجرم ٹھہریں گے؛ اس لیے کہ اسلام کی

بہت ساری عبادات کا تعلق اسی تقویم سے ہے، حضرت حکیم الأمت رحمہ اللہ اپنی تفسیر ''بیان القرآن'' میں رقمطراز ہیں:

''......البتہ چونکہ احکام شرعیہ کا مدار حسابِ قمری پر ہے؛ اس لیے اس کی حفاظت ''فرض علی الکفایہ'' ہے، پس اگر ساری امت دوسری اصطلاح کو اپنا معمول بنالیوے، جس سے حسابِ قمری ضائع ہوجاوے؛ (تو) سب گنہگار ہوں گے اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی مباح ہے؛ لیکن خلافِ سنتِ سلف ضرور ہے اور حسابِ قمری کا برتنا بوجہ اُس کے فرضِ کفایہ ہونے کے لابدّ افضل واحسن ہے''۔ (بیان القرآن، سورۃ التوبۃ: ۳۶، ۱۳۱/۳، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

اسلامی سال کے اس پہلے مہینے کی اللہ کے ہاں بڑی قدر ہے، یہ عظمت والے مہینوں میں سے ہے، تاریخی روایات کے مطابق اس مہینے میں بہت سے عظیم الشان واقعات پیش آئے، احکامات کے اعتبار سے صحیح اور مستند احادیث سے جو امور سامنے آتے ہیں، وہ صرف دو ہیں:

ماہِ محرم الحرام میں پہلا حکم

اس ماہِ مبارک میں مطلقاً کسی بھی دن روزہ رکھنا رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ شمار ہوتا ہے، نیز ! نو اور دس محرم یا دس اور گیارہ محرم کا روزہ رکھنا اور بھی زیادہ فضیلت کی چیز ہے؛ چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث میں وارد ہے:

"افضل الصّیام بعد رمضان، شهر اللّٰه المحرم، وافضل الصّلاة بعد الفریضة صلوة اللیل". (صحیح مسلم، کتاب الصوم، باب فضل صوم المحرم، رقم الحدیث: ۲۰۲)

ترجمہ: رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل اللہ کے مہینہ محرم کے روزے ہیں، اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل رات کی نماز (تہجد) ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"حین صام رسول اللّٰه ﷺ یوم عاشوراء، وأمر بصیامه، قالوا: یا رسول اللّٰه! إنه یوم تُعظِّمه الیهود والنصاری؟ فقال رسول اللّٰه ﷺ: "فإذا کان العام المقبل إن شاء اللّٰه صُمنا الیوم التاسع، قال: فلم یأت العام المقبل، حتی توفی رسول اللّٰه ﷺ". (صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب: أيّ یوم یصام في عاشوراء؟، رقم الحدیث: ۱۱۳۴، ۷۹۷/۲، دارالکتب العلمیة)

ترجمہ: جب حضرت رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کے دن خود روزہ رکھا، اور حضرات صحابہؓ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا؛ تو اِس پر حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس دن کی تو یہود ونصاری بھی تعظیم کرتے ہیں؟ (غالباً یہ عرض کرنا مقصود ہوگا کہ روزہ رکھ کر تو ہم نے بھی اس دن کی تعظیم کی، گویا ہم ایک عمل میں ان کی مشابہت اختیار کرنے لگے)، تو اِس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر اللہ نے چاہا تو اگلے سال ہم نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھیں گے''۔ (اس طرح سے مشابہت کا شبہ باقی نہیں رہے گا) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔

اسی وجہ سے فقہاء کرام فرماتے ہیں: صرف عاشوراء کا روزہ نہ رکھا جائے؛ بلکہ اس کے ساتھ ۹ یا ۱۱ محرم کا روزہ بھی ملالیا جائے؛ تاکہ یہود کے ساتھ مشابہت سے بچ سکیں۔

صحیح مسلم کی ہی ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش بھی زمانۂ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے،

''عن عائشة رضي الله عنها قالت: كانت قريش تصوم عاشوراء في الجاهلية، وكان رسول الله ﷺ يصومه، فلما هاجر إلى المدينة صامه وأمر بصيامه، فلما فرض شهر رمضان، قال: من شاء صامه، ومن شاء تركه''. (صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب صوم عاشوراء، رقم الحديث:١١٢٥، ٧٩٢/٢، دارالكتب العلمية)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں قریش روزہ رکھتے تھے اور جناب رسول اللہ ﷺ بھی روزہ رکھتے تھے، جب آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی، تو وہاں بھی عاشوراء کا روزہ رکھا اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، پھر جب ماہِ رمضان میں روزہ رکھنے کی فرضیت کا حکم آیا، تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اختیار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''جو چاہے عاشوراء کا روزہ رکھے، جو چاہے نہ رکھے''۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے قبل بھی حضور ﷺ کی اپنی عادت شریفہ روزہ رکھنے کی تھی اور ہجرت کے بعد دوسروں کو بھی تاکید فرمائی تھی۔

ماہِ محرم الحرام میں دوسرا حکم

عاشوراء کے دن اپنے اہل وعیال پر کھانے پینے یا کسی بھی اعتبار سے وسعت کرنا، اس کی خاص فضیلت وارد ہے؛ چنانچہ حضرت ابن مسعود، حضرت ابوسعید الخدری، حضرت ابوہریرہ اور

حضرت جابر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”من وسَّع على عياله في يوم عاشوراء، وسع الله عليه السنة كلها“. (شعب الإيمان للبيهقي، كتاب الصيام، صوم التاسع والعاشر: ۳۶۵/۳)

ترجمہ: جو شخص عاشورا کے دن اپنے گھر والوں پر خرچ کرنے میں وسعت وفراخی کرے گا، اللہ تعالی سارا سال اس پر (رزق) میں وسعت فرمائے گا۔

اگرچہ اس حدیث کی اسنادی حیثیت پر کلام ہے؛ مگر محدثین کی تصریحات کے مطابق ایسی روایات جو مختلف طرق سے مروی ہوں، ان کی مختلف اسناد کی وجہ سے ان میں قوت پیدا ہو جاتی ہے؛ اس لیے اس کو فضائل میں بیان کرنے پر کوئی بڑا اشکال باقی نہیں رہتا۔ امام بیہقی رحمہ اللہ اس مضمون کی روایات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”هذه الأسانيد وإن كانت ضعيفة، فهي إذا ضم بعضها إلى بعض، اخذت قوة. والله اعلم“. (شعب الإيمان للبيهقي، كتاب الصيام، صوم التاسع والعاشر: ۳۶۵/۳)

یعنی: ”اگرچہ ان روایات کی سندوں میں ضعف ہے؛ لیکن ان میں مجموعی طور پر اتنی بات ضرور پائی جاتی ہے کہ ان اسانید کو ملا لیا جائے تو قوّت کی شکل بن جاتی ہے“۔

علامہ سخاوی نے اپنی کتاب ”المقاصد الحسنۃ“ میں اسی بات کو اختیار کیا ہے۔ (المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة، حرف الميم، رقم الحديث: ۱۱۹۱، ص: ۴۹۴)

ماہِ محرم سے متعلق دو موضوع احادیث

روافض اور اہل بدعت کی طرف سے اس ماہِ مبارک میں کچھ موضوع اور منگھڑت روایات بھی علی الاعلان بیان کی جاتیں ہیں اور ان کا خوب چرچا کیا جاتا ہے؛ حالانکہ احادیث نبویہ ﷺ میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ جناب نبی اکرم ﷺ کی طرف کسی ایسی بات کی نسبت کرنا جو آپ ﷺ نے بیان نہیں فرمائی، بہت بڑا جرم ہے، ایسے شخص کے لیے جہنم کی وعید ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”من كذب عليّ متعمدًا فليتبوء مقعده من النار“. (المقاصد الحسنة في بيان كثير من الاحاديث المشتهرة على الألسنة، باب: تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ، رقم الحديث: ۳، ۱۰/۱، دارالكتب العلمية)

ترجمہ: ”جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا، تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے“۔

اس لیے اس ''جرم'' کے ارتکاب سے باز رہنا بہت ضروری ہے، ان من گھڑت روایات میں سے ایک یہ ہے:

"ما من عبد يبكي يوم قتل الحسين، إلا كان يوم القيامة مع أولى العزم من الرسل". (عمل اليوم والليلة لابن السني، ص: ٥٩٦، رقم الحديث: ٦٤١، مكتبة الشيخ، كراتشي)

ترجمہ: ''جو شخص بھی شہادت حسین کے دن (ان کے غم میں) روئے گا، قیامت کے دن وہ اولوالعزم رسولوں کے ساتھ ہوگا''۔

اور ایک دوسری روایت یہ ہے:

"من صام تسعة أيام من أول المحرم بنى الله له قبة في الهواء ميلا في ميل لها أربعة أبواب". (عمل اليوم والليلة لابن السني، ص: ٥٩٦، رقم الحديث: ٦٤١، مكتبة الشيخ، كراتشي)

ترجمہ: ''جس نے پہلی محرم سے نو دن کے روزے رکھے، اللہ اس کے لیے ہوا میں ایک خیمہ بنائیں گے، جو ایک میل چوڑا اور ایک میل لمبا ہوگا اور اس کے چار دروازے ہوں گے''۔

واضح رہے کہ ان جیسی بے بنیاد اور جھوٹی روایات کو بیان کرنا یا ان پر یقین کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے؛ اس لیے ان جیسی بہت سی روایات اور افسانوی باتیں جو محرم الحرام کے آتے ہی عام کی جاتی ہیں کہ جن کی کوئی فنی شہادت اور ثبوت نہیں ہوتا، ان سے پورے اہتمام سے نہ صرف بچا جائے؛ بلکہ ان کے بیان کرنے والے کے اس بیان کو رد کرنے کی بھی ازحد ضرورت ہے۔

محرم الحرام میں سوگ کرنے کا حکم

ایک اور چیز جس کا رواج عام طور پر بہت زیادہ ہو چکا ہے کہ یہ مہینہ غم کا مہینہ ہے، اس مہینے میں خوشی نہیں منانی چاہیے، کیوں؟! اس لیے کہ اس مہینے میں نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے چھوٹوں اور بڑوں کو ظالمانہ طور پر نہایت بیدردی سے شہید کر دیا گیا، ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لیے غم منانا، سوگ کرنا اور ہر خوشی والے کام سے گریز کرنا ضروری ہے، سوچنا تو یہ ہے کہ ہمیں اس بارے میں شریعت کی طرف سے کیا راہنمائی ملتی ہے؟

اس بارے میں سب سے پہلے علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کا ایک قول ملاحظہ کرتے ہیں:

ہر مسلمان کے لیے مناسب یہ ہے کہ اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

غمگین کردے؛ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے سرداراور اہلِ علم صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے، آپ جناب رسول اللہ ﷺ کی سب سے افضل لختِ جگر کے بیٹے، یعنی: آپ ﷺ کے نواسے تھے، آپ عبادت کرنے والے، بڑے بہادر اور بہت زیادہ سخی تھے؛ لیکن آپ کی شہادت پر شیعہ جس انداز سے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں، وہ کسی صورت میں مناسب نہیں ہے؛ بلکہ ان کی یہ حرکات بناوٹی اور ریاکاری سے تعلق رکھتی ہیں، آپ کے والد (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) آپ سے زیادہ افضل تھے، اُن کو چالیس ہجری، سترہ رمضان، جمعہ کے دن، جب کہ وہ اپنے گھر سے نمازِ فجر کے لیے تشریف لے جارہے تھے، شہید کردیا گیا؛ لیکن شیعہ ان کے قتل کے دن کواس طرح ماتم نہیں کرتے جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے افضل ہیں، جنھیں چھیالیس ہجری، عیدالاضحیٰ کے دن انھی کے گھر میں شہید کردیا گیا؛ لیکن شیعہ ان کے قتل کے دن کو بھی اس طرح ماتم نہیں کرتے، جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات (حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے افضل ہیں، جن کو مسجد کے محراب میں نماز کی حالت میں جب کہ وہ قراءت کررہے تھے، شہید کردیا گیا؛ لیکن شیعہ ان کے قتل کے دن کواس طرح ماتم نہیں کرتے جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اسی طرح حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ ان تینوں حضرات سے افضل تھے؛ لیکن شیعہ ان کی وفات کے دن اس طرح ماتم نہیں کرتے، جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ماتم کرتے ہیں، اور جناب نبی اکرم ﷺ جو دنیا وآخرت میں بنی آدم کے سردار ہیں، ان کی وفات کے دن بھی یہ شیعہ اس طرح ماتم نہیں کرتے، جس طرح یہ جاہل رافضی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن کرتے ہیں۔ (البدایہ والنہایہ ۱۱/۵۷۹)

اس قول کو ملاحظہ کرنے سے روافض کے ڈرامے اور ڈھونگ کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے، اس کے بعد سمجھنا چاہیے کہ ''شہادت'' کا مرتبہ خوشی کا ہے یا غم اور سوگ کا؟ تعلیماتِ نبویہ ﷺ سے تو یہ سبق ملتا ہے کہ شہادت کا حصول تو بے انتہاء سعادت کی بات ہے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

یہی وجہ تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مستقل حصولِ شہادت کی دعا مانگا کرتے تھے،

(صحیح البخاری، کتاب فضائل مدینہ، باب کراهية النبي ﷺ أن تعرى المدينة، رقم الحديث: ۱۸۹۰، ۲۳/۳، دار طوق النجاۃ)

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جنھیں بارگاہِ رسالت سے ''سیف اللہ'' کا خطاب ملا تھا، وہ ساری زندگی شہادت کے حصول کی تڑپ لیے ہوئے قتال فی سبیل اللہ میں مصروف رہے؛ لیکن اللہ کی شان انھیں شہادت نہ مل سکی، تو جب ان کی وفات کا وقت آیا تو پھوٹ پھوٹ کے رو پڑے کہ میں آج بستر پر پڑا ہوا اونٹ کے مرنے کی طرح اپنی موت کا منتظر ہوں۔ (البدایہ والنھایہ، سنۃ احدی وعشرین، ذکر من توفی احدی وعشرین: ۱۱۴/۷، مکتبۃ المعارف، بیروت)

جناب رسول اللہ ﷺ کا شوق شہادت

شہادت تو ایسی عظیم سعادت اور دولت ہے، جس کی تمنا خود جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے کی اور امت کو بھی اس کی ترغیب دی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں، پھر شہید کر دیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور شہید کر دیا جاؤں، (پھر مجھے زندہ کر دیا جائے) پھر میں اللہ کے راستے میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں''۔ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب: فضل الجهاد والخروج في سبيل الله، رقم الحدیث: ۴۹۶۷)

الغرض یہاں تو صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ شہادت تو ایسی نعمت ہے جس کے حصول کی شدت سے تمنا کی جاتی تھی، یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر افسوس اور غم منایا جائے، اگر اس عمل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر ہمیں بتلایا جائے کہ پورے سال کا ایسا کون سا دن ہے جس میں کسی نہ کسی صحابیِ رسول کی شہادت نہ ہوئی ہو، کتب تاریخ اور سیر کو دیکھ لیا جائے، ہر دن میں کسی نہ کسی کی شہادت مل جائے گی، جس کا مقتضی یہ ہے کہ اس دن کو اظہارِ غم اور افسوس بنایا جائے، نیز! اس بات کو بھی دیکھا جائے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بھی تو کئی عظیم اور نبی ﷺ کی محبوب شخصیات کو شہادت ملی؛ لیکن کیا ہمارے پیارے نبی ﷺ نے بھی ان کی شہادت کے دن کو بطور یادگار کے منایا؟ نہیں؛ بالکل نہیں، تو پھر کیا ہم اپنے نبی ﷺ سے زیادہ غم محسوس کرنے والے ہیں؟ خدارا ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور اس قسم کی شیطانی اور گمراہ کن رسومات واعمات سے بچنے کی مکمل کوشش کریں۔

شرعاً سوگ کرنے کا حکم

شرعاً سوگ کرنے کی صرف چند صورتیں ہیں اور وہ بھی عورتوں کے لیے: (۱) مطلقہ بائنہ کے لیے صرف زمانہ عدت میں، (۲) جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے، اس کے لیے صرف زمانہ عدت میں، (۳) کسی قریبی رشتے دار کی وفات پر صرف تین دن۔ اس کے علاوہ کسی بھی موقع پر عورت کے لیے سوگ کرنا جائز نہیں ہے، اور سوگ کا مطلب یا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس عرصہ میں زیب وزینت اور بناؤ سنگھار نہ کرے، زینت کی کسی بھی صورت کو اختیار نہ کرے، مثلاً: خوشبو لگانا، سرمہ لگانا، مہندی لگانا اور رنگ برنگے خوشنما کپڑے پہننا وغیرہ، اس کے علاوہ کوئی صورت اپنانا مثلاً: اظہارِ غم کے لیے سیاہ لباس پہننا یا بلند آواز سے آہ وبکا اور سیاہ لباس وغیرہ پہننا جائز نہیں۔ نیز! مردوں کے لیے تو کسی صورت میں سوگ کی اجازت نہیں ہے تو پھر محرم الحرام کے شروع ہوتے ہی سوگ اور ماتم کے کیا معنیٰ؟

محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم

اوپر ذکر کی گئی تفصیل کے مطابق اس ماہِ مبارک میں سوگ کرنا بالکلیہ بے اصل اور دین کے نام پر دین میں زیادتی ہے، جس کا ترک لازم ہے، لہٰذا جب سوگ جائز نہیں تو پھر شرعاً اس مہینے میں شادی کرنے کی کوئی ممانعت نہیں ہوگی؛ بلکہ عجیب بات تو یہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا سے شادی اسی ماہِ مبارک میں ہوئی، (ملاحظہ ہو: تاريخ مدينة الدمشق لابن عساكر، باب ذكر بنيه وبناته عليه الصلاة والسلام وأزواجه: ۱۲۸/۳، دار الفكر،، تاريخ الرسل والملوك للطبري، ذكر ما كان من الأمور في السنة الثانية، غزوة ذات العشيرة، ۴۱۰/۲، دار المعارف بمصر)

اس مہینے میں شادی نہ ہونے کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اس مہینے میں نحوست ہے جب کہ شرعاً یہ بات بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے؛ بلکہ یہ عقیدہ یا ذہن رکھنا ہی گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی دن یا زمانے میں کسی قسم کی نحوست نہیں رکھی گئی۔ اکابرین مفتیانِ عظام کے فتاوی میں اس کی تصریحات موجود ہیں، ذیل میں فتاوی رحیمیہ سے اسی مسئلے کا جواب نقل کیا جاتا ہے:

(الجواب): ماہ محرم کو ماتم اور سوگ کا مہینہ قرار دینا جائز نہیں، حدیث میں ہے کہ عورتوں کو ان کے خویش واقارب کی وفات پر تین دن ماتم اور سوگ کرنے کی اجازت ہے اور اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ منانا ضروری ہے، دوسرا کسی کی وفات پر تین دن

سے زائد سوگ منانا جائز نہیں، حرام ہے، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے:

”لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلث ليال إلا على زوج أربعة أشهر وعشراً“.

ترجمہ: ”جو عورت خدا اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے، اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی کی موت پر تین رات سے زیادہ سوگ کرے؛ مگر شوہر اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی وفات پر چار ماہ دس دن سوگ کرے“۔ (بخاري، باب: تحد المتوفی عنها أربعة أشهر وعشراً إلخ، ص: ۸۰۳، ج:۲، پ:۲۲)، (صحيح مسلم، باب: وجوب الإحداد في عدة الوفات، إلخ، ص: ۴۹۶، ج:۱)، (مشکوٰة، باب العدة، الفصل الأول، ص: ۲۸۸)

ماہ مبارک محرم میں شادی وغیرہ کرنا نامبارک اور ناجائز سمجھنا سخت گناہ اور اہل سنت کے عقیدے کے خلاف ہے، اسلام نے جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا ہو، اعتقاداً یا عملاً ان کو ناجائز اور حرام سمجھنے میں ایمان کا خطرہ ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ روافض اور شیعہ سے پوری احتیاط برتیں، ان کی رسومات سے علیحدہ رہیں، ان میں شرکت حرام ہے۔

”مالابد منہ“ میں ہے: ”مسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام ہے۔“ یعنی: مسلمانوں کو کفار وفساق کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ (ص:۱۳۱)

ماہ مبارک میں شادی وغیرہ کے بارے میں دیوبندی اور بریلوی میں اختلاف بھی نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا فتویٰ پڑھیے:

(سوال) بعض سنی جماعت عشرۂ محرم میں نہ تو دن بھر میں روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔ ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے۔ ماہِ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے، اس کا کیا حکم ہے؟

(الجواب) تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔ (احکام شریعت، ص: ۹۰، ج:۱)

فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاوی رحیمیہ، کتاب البدعۃ والسنۃ، ماہ محرم میں شادی کرے یا نہیں؟ ۱۱۵/۲، دارالاشاعت، کراچی)

اسی طرح فتاوی حقانیہ (کتاب البدعۃ والرسوم، محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم؟ ۹۶/۲، جامعہ حقانیہ، اکوڑہ خٹک) میں بھی موجود ہے، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر طرح کے منکرات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے، اور افراط وتفریط سے بچتے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے، آمین!